برصغیر کی مسلمان حکومتیں

حافظ عباد اللہ فاروقی - ایڈوکیٹ لاہور

آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں نے سندھ کے علاقہ پر حملہ کیا، اور اس پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ان کی حکومت مقامی حیثیت رکھتی تھی، اور وہ برصغیر پاک و ہند میں کوئی خاص اثر پیدا نہ کر سکی۔ یہ فخر ترکوں کو نصیب ہوا کہ وہ سارے شمالی ہند پر تسلط جمائیں۔ ان حملہ آوروں کو یہاں بجائے کسی متحدہ قوت کے انفرادی طور پر راجاؤں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا شمالی ہند قلیل عرصہ میں اُن کے زیر نگیں ہو گیا۔

اِس دور میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام اگرچہ اعلیٰ پیمانہ پر نہ ہو سکا کیونکہ اس کے لئے حالات شروع میں ناسازگار تھے۔ تاہم مسلمانوں نے اس ضمن میں کوشش ضرور کی، لیکن اُن کی یہ کوشش دور رس نتائج پیدا نہ کر سکی۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ہندو قوم باہمی رقابت اور شدید خانہ جنگی میں مبتلا تھی اور اُسے اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ مذہبی امور کی طرف متوجہ ہوتی، چنانچہ وہ اسلام کی خوبیوں کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ ہندو مسلمانوں سے اس لئے نفرت کرنے لگے تھے کہ اُن کی تہذیب مسلمانوں سے مختلف تھی۔ مسلمان ایک جنگ جو قوم تھے جو اللہ کی راہ میں جان دینا اپنے لئے عین ثواب

اور نجاتِ اُخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے ۔ لیکن ہندومت میں بدھ دھرم کے متعدد اصول و عقائد شامل ہوگئے تھے ، بالخصوص "اہنسا" کا عقیدہ ، اور ہندوؤں نے عام طور پر اسے تسلیم کرلیا تھا ۔ جانوروں کی قربانی اور گوشت خوری ان کے ہاں ممنوع تھی ۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ وہ جنگ و جدل سے بیزاری کا اظہار کرتے ۔ ان حالات میں فاتحینِ اسلام کے لئے ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کرنا آسان ہوگیا ۔

برصغیر میں اسلامی حکومت کا قیام سلطان قطب الدین ایبک کے زمانہ میں ہوا ۔ اور وہ پہلا مسلمان تاجدار تھا جس نے شرعی احکام کی پوری پیروی کی ۔ اسلامی حکومت کے قیام کے وقت اگر یہاں کے باشندوں کو مسلمانوں سے نفرت تھی تو اس بنا پر کہ وہ محکوم بنائے گئے اور ان پر ایسی قوم مسلط ہوگئی جس کی تہذیب و تمدن کو وہ قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے ۔ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں سے محض مذہب کے اختلاف کی بنا پر نفرت کی ہو ۔ اگر مذہبی تعصب ان میں تھا بھی تو اُن کی باہمی جنگ و جدل کی وجہ سے دب چکا تھا ۔ پھر بھی ابتداء میں ان دو قوموں کے درمیان جس خصومت کا اظہار ہوتا ہے وہ بالکل قدرتی ہے کیونکہ فاتح قوم اپنا اقتدار تسلیم کروانے پر مُصر ہوتی ہے اور مفتوح قوم قدرتًا اپنے فاتح سے نفرت کرنے لگتی ہے ۔ اپنی محکومی اور ذلت کا احساس اسے مخالفت پر آمادہ کرتا ہے جس کا نتیجہ عام طور سے مختلف بغاوتوں کی صُورت میں رونما ہُوا کرتا ہے ۔

شہاب الدین غوری کے بعد جب مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں جم گئے اور تُرکوں کو یہاں سلطنت قائم کرنے کا خیال ہُوا تو قدرتًا محکوم ہندوؤں کے مسلمان حاکموں سے روابط پیدا ہونا شروع ہوئے ۔ ہندوستان کی تاریخ میں ترکوں اور افغانوں کا عہد ان دو متضاد اور مخالف قوموں کے باہمی تصادم اور ملاپ کا عہد ہے ۔ انہی اسباب سے اس عہد کی عمرانی و مذہبی تاریخ نہایت اہم ہے ۔ یوں تو ہندوستان میں اسلامی حکومت کا آغاز آٹھویں صدی یعنی سندھ پر عربوں کے قبضے سے ہوتا ہے لیکن صحیح معنوں میں اسلامی حکومت ہندوستان میں اس وقت قائم ہوئی جب کہ

پرتھوی راج کی شکست کے بعد شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کو مفتوحہ علاقوں کا نائب مقرر کیا۔ سندھ پر عربوں کی حکومت کی حیثیت بالکل صوبہ داری کی سی تھی۔ اس کا ہندوستان کے دوسرے علاقوں پر کوئی اثر نہ پڑا۔ شروع میں پنجاب پر محمود غزنوی کے حملے کسی مستقل حکومت کے خیال سے کے لئے نہ تھے۔ اس لئے ان حملوں اور فتوحات کا برصغیر کی سیاست پر کوئی قابلِ ذکر اثر نہ پڑا اور نہ یہاں اسلامی حکومت پورے طور پر قائم ہونے پائی۔ بحیثیت مجموعی عربوں اور محمود غزنوی کے حملوں اور فتوحات کی اہمیت صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے بعد کے اسلامی فاتحین کے لئے رہبری کا کام کیا۔ اور ایشیا کی دیگر قوموں اور اسلامی سلطنتوں کو ہندوستانی سیاست سے واقف کر دیا۔

قطب الدین ایبک کی صوبہ داری سے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش شروع ہوئی۔ جس کی تکمیل علاؤ الدین خلجی کے عہد میں ہوئی اور مسلمانوں میں پنجاب اور وسطِ ہند زیر کرنے کے بعد پورے ہندوستان کو زیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ تیرھویں صدی کی ابتدا سے چودھویں صدی کی ابتدا تک پورے ایک سو سال میں ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم اور مستحکم ہوگئی، اور تمام شمالی ہند پر ترکوں کا تسلط ہوا۔ اس ایک صدی کے دوران ابتدائی چالیس برس ہندوستان کی مختلف ہندو سلطنتوں کو زیر اور ان کا الحاق کرنے میں صرف ہوئے اور جب سلطنت کافی وسیع ہوگئی تو اس کے استحکام کی کوشش کی گئی۔

قطب الدین ایبک کے متعلق صاحب تاج المآثر لکھتے ہیں کہ اس کے انصاف کے باعث بھیڑ اور بھیڑیا ایک ہی تالاب پر پانی پی سکتے تھے۔ سلطان نے شرعی قوانین کو ملک میں نافذ کرنے کی پوری کوشش کی اور غیر شرعی رسوم اور قوانین کو باطل قرار دیا۔

قطب الدین ایبک کا ایک اعلان جو اُس نے لاہور میں کیا، تاریخ فخر الدین مبارک شاہ صفحہ ۳۳ میں مرقوم ہے۔ اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان کس قدر

شرعی قوانین کا دلدادہ تھا۔ اعلان کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"املاکِ مسلمانان را بر مالکان مقرر دارند و خراجے کہ از املاک بیرون شرع و فرمانِ خدائے ستدند و آں خمس بود برانداخت و چنانکہ شریعت فرمودہ است جائے عشر و جائے نصف عشر معین فرمود و فرمان داد تا توقیع نوشتند . . . . و محاصلے بزرگ در شرع جائز نبود برانداخت۔"

"(مسلمانوں کی زمینیں ان ہی کے پاس رہنے دیں اور وہ خراج جو خلاف شرع لیا جاتا تھا، اور جو کل پیداوار کا پانچواں حصہ تھا، بند کر دیا گیا۔ اور جس طرح شریعت کا حکم ہے کہیں سے عشر اور کہیں سے نصف عشر مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ توقیع لکھیں اور جو ٹیکس شرعاً ناجائز تھے وہ ختم کر دیئے)"

۶۰۷ھ میں جب قطب الدین ایبک کے لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر انتقال کی خبر اجمیر کے گرد و نواح میں پہنچی تو ہندو جاگیرداروں نے جو بظاہر محکوم ہو گئے تھے لیکن دل میں مذہبی تعصب و بغض رکھتے تھے تاراگڑھ پر شب خون مارا۔ اس وقت مسلمان فوجی ہتھیار کھولے نہایت چین سے بستروں پر سو رہے تھے کہ یکایک تلواریں چمکیں۔ نیزے اور بھالے بلند ہوئے اور گرزوں کی دل ہلا دینے والی صدا نے سب کو جگا دیا۔ مسلمان بے خبر تھے، اس لئے دشمنوں نے رات بھر میں سب کو شہید کر دیا۔ میراں سید حسین خنگ سوار بھی اسی تاراگڑھ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔

ہندوؤں کے اس مذہبی تعصب کے باوجود قطب الدین کے عہد میں شمالی ہند کا بہت سا حصہ فتح ہو گیا۔ اجمیر، دہلی، بنارس اور شمالی ہند کی دیگر راجپوت سلطنتیں بغیر کسی قابلِ ذکر جد و جہد کے اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں آ گئیں۔ ان فتوحات کی تفصیل ہمعصر تاریخوں یعنی طبقاتِ ناصری اور تاج المآثر میں ملتی ہیں۔

۱۱۹۹ء میں شہر انہلواڑہ اور سلطنتِ گجرات پر دہلی کا قبضہ ہوگیا۔ لیکن یہ علاقہ کامل طور پر فتح نہ ہوسکا۔ جو ایک صدی بعد علاؤالدین خلجی کے زمانے میں سلطنت دہلی سے ملحق ہؤا۔

اسلامی حکومت کے قیام سے آہستہ آہستہ پورا ہندوستان ایک مرکز کے تحت آگیا۔ ملک کی از سرِ نو شیرازہ بندی سے اندرونِ ملک امن قائم ہؤا، اور انتشاری کیفیت رفع ہوگئی۔ تین صدیوں کی لامرکزیت کے بعد ایک آزاد ہمہ گیر قوت تقریباً تمام ہندوستان پر حاوی ہوگئی۔ سلطنت دہلی کے علاوہ دیگر علاقے یا تو اِس سے ملحق کرلئے گئے یا ان سلطنتوں نے دہلی کی اطاعت و برتری کو تسلیم کر لیا۔ انہی اسباب سے اسلامی حکومت کا قیام دراصل ایک طاقتور مرکزیت کے علاوہ برصغیر کی ایک آزاد منفرد حکومت کا قیام بھی تھا۔ قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد سلطنت دہلی دیگر اسلامی ممالک سے بالکل آزاد ہوچکی تھی اور ترک حکمرانوں کا تمام تر دارو مدار ہندوستان پر رہ گیا تھا۔ اسلامی ممالک سے سیاسی تعلقات منقطع ہوچکے تھے، اور کوئی ایسی کشش باقی نہ تھی جو ہندوستان کے ان ترک حکمرانوں کو اسلامی ممالک سے تعلقات قائم رکھنے پر مجبور کرتی۔ جہاں تک مذہب کا تعلق تھا ان کو دیگر اسلامی ممالک بالخصوص خلافت سے ہمدردی ضرور تھی لیکن اس ہمدردی کا اثر ہندوستان کی سیاست پر کچھ زیادہ نہ تھا۔

علاؤالدین خلجی کی تمام تر کوشش یہ رہی کہ ترکوں کے مقابلہ میں ہندی مسلمانوں کو ترجیح دی جائے۔ اسی بنا پر اُس حکمران کے اکثر عہدہ دار و سپہ سالار ہندی نژاد مسلمان تھے، علاؤالدین کے چار مشہور سپہ سالار (۱) ظفر خاں (۲) نصرت خاں (۳) الپ خاں (۴) اُلغ خاں ہندی نژاد تھے۔ جن کی مدد سے اس نے ترکی اُمراء کی قوت کو کم کرنے کی کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب رہا۔ بے شک اس عہد کی حکومتوں میں علماء کے اثر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان علماءِ دین کا وقتاً فوقتاً حکمرانوں کو شرع کی پابندی و قرآنی احکام کی تعمیل کی طرف توجہ دلانا

حکومت میں اِس طبقہ کے اثر اور اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن غیاث الدین بلبن کے عہد سے جو خیال مذہب کو سیاست سے الگ کرنے کا پیدا ہوا تھا۔ وہ علاؤالدین خلجی کے زمانے میں پورے طور پر ظاہر ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیاث الدین بلبن، علاؤالدین خلجی اور بعد میں محمد بن تغلق کا جو تخیل مملکت رہا وہ خالص اسلامی مملکت کا تخیل نہ تھا بلکہ ایک دنیوی SECULAR اور قومی NATIONAL مملکت کے تصور کے قریب تھا۔

علاؤالدین خلجی اور قاضی مغیث الدین کی گفتگو سے علاؤالدین خلجی کے تخیل و تصور مملکت پر روشنی پڑتی ہے۔ علاؤالدین قاضی کو ایک موقع پر کہتا ہے کہ:-

"اگرچہ من علمے وکتابے نہ خواندہ ام۔ امّا ازیں چند پشت مسلمان ومسلمان زادہ ام بہر چیزے کہ درآں صلاح ملک وصلاح ایشاں (عوام) باشد بر خلق امر می کنم ومردمان بے اتفاقی می کنند و بجائے نمی آرند۔ مرا ضرورت می شود کہ چیزہا درشت درباب ایشاں حکم کنیم کہ ایشاں براں فرمانبرداری کنند ونمی دانم کہ آں حکم مشروع است یا نامشروع ومن در ہرچہ صلاح ملک خود می بینم ومصلحت وقت مرا درآں مشاہدہ می شود حکم می کنم ونمی دانم کہ خدا تعالیٰ فردا قیامت برمن چہ خواہد کرد[1]"

(اگرچہ میں نے کوئی علم اور کتاب نہیں پڑھی، لیکن میں چند پشت سے مسلمان ہوں۔ جس چیز میں ملک اور لوگوں کا فائدہ دیکھتا ہوں، اس کا میں لوگوں کو حکم دیتا ہوں۔ اور جب لوگ اس سے بے اتفاقی کرتے ہیں اور اسے بجا نہیں لاتے تو مجھے ضرورت ہوتی ہے کہ میں اس بارے میں ان پر سختی کروں، اور اُن سے فرماں برداری کراؤں۔ اور میں نہیں

---

[1] تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاءالدین برنی۔

جانتا کہ یہ حکم شریعت کے مطابق ہے یا شریعت کے مطابق نہیں۔ میں جس میں اپنے ملک کا فائدہ اور مصلحت وقت دیکھتا ہوں اُسی کا حکم دیتا ہوں۔ اور نہیں جانتا کہ کل کو قیامت کے دن خدا تعالےٰ مجھ سے کیا کرے گا)۔

اس قسم کے خیالات کی بنا پر علماء دین علاؤالدین خلجی اور محمد تغلق کی سیاسی حکمت عملی سے ناراض تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ان بادشاہوں کا مقصد بلا تفریق مذہب استحکام سلطنت، قیام امن وامان اور فلاحِ ملک تھا۔ لیکن ان کی حکومت خالص اسلامی حکومت نہ تھی۔ ان کے ہاں اسلامی حکومت ایک "قومی اسلامی حکومت" بن چکی تھی۔ اس عہد میں شرعی احکام کی پوری پابندی نہیں ہوتی تھی۔

بلبن کے متعلق برنی لکھتا ہے کہ

"از شدتِ دوستیٔ ملکِ چند روزہ در خاطر اُو نگذشتے بہر وجہ کہ مسلمانان رابکشد خواہ بہ تیغ وخواہ بہ زہر وخواہ بخفیہ خواہ بدلت وچوب وخواہ بہ عذر وخواہ بے نانی وبے آبی وخواہ از بلندی فرو انداختن، وخواہ درآب غرق کردن وبا آتش سوختن کہ جواب خونِ او فردائے قیامت خواہند طلبید" (تاریخ فیروز شاہی ص ۹۷)۔

(ملک کی چند روزہ محبت میں اس کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اس کے دل میں یہ بات نہ آتی تھی کہ خواہ کسی طرح سے مسلمانوں کو مارے گا، چاہے تلوار سے یا زہر دے کر یا پوشیدہ طریقہ سے یا لت وچوب سے یا بھوکا پیاسا رکھ کر یا بلندی سے پھینک کر یا پانی میں غرق کر کے یا آگ میں جلا کر۔ اس سے قیامت کے دن اس خونریزی کا مواخذہ کیا جائے گا)۔

علاؤالدین خلجی کے عہد میں باغی کے پورے خاندان کو سزا دی جاتی تھی۔ اس غیر شرعی نظام تعزیر کو ختم کرنے کی ایک کوشش فیروز شاہ نے کی تھی۔ خود لکھتا ہے

"در عہودِ ماضیہ بسے خونِ مسلمانان ریختہ شد و انواع تعذیب از بریدن دست وپا وگوش وبینی وکشیدنِ چشم دریختن ارزیز گداختہ در حلق خلق وشکستنِ

استخوانہائے دست و پا میخکوب وسوختن اندام بہ آتش وزدن میخہا بر وپا وسینہ وکشیدن پوست وزدن دُرہ ہا بامیخہائے آہنی وبریدن پے کردن آدمی بہ آرہ وبسیار انواع مثلہ کردن واقع می شد "(فتوحات فیروزشا

(گزشتہ زمانہ میں مسلمانوں کا خون ناحق بُری طرح بہایا جاتا تھا اور ان قسم کی اذیتیں دی جاتی تھیں، مثلاً ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹنا آنکھیں نکال لینا کے گلے میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالنا۔ ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کو ہتھوڑے سے توڑنا۔ آگ سے جلانا۔ ہاتھ پاؤں اور سینہ میں لوہے کی کیلیں ٹھوکنا۔ کھال کھینچ لینا کی میخوں والے دُرے لگانا۔ لنگڑا کر دینا۔ آرے سے انسان کو چیر کر دو کر دینا۔ اس طرح اعضا تراشی کے بہت سے طریقے رائج تھے)۔

غرض قطب الدین ایبک کے بعد جب برصغیر میں اسلامی حکومت، شخصہ اور غیر اسلامی یعنی دنیوی سلطنت میں تبدیل ہو گئی تو اس میں وہ تمام خرابیاں ہو گئیں جن کی اسلام بیخ کنی کرتا ہے۔ ان حالات میں اشاعتِ اسلام کو وہ پہنچا جو محتاجِ بیان نہیں۔

کتابیات

(۱) تاریخ فیروز شاہی

(۲) فتوحات فیروز شاہی

(۳) طبقاتِ ناصری

(۴) تاج المآثر

(۵) ہسٹری آف انڈیا مصنفہ سرکار

(۶) سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات
تالیف خلیق احمد نظامی (دہلی)